قیصر آفتاب احمد

ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی، شعبۂ اردو
نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اردو ناول میں ذکرِ کشمیر

ABSTRACT

The Portrayal of Kashmir in Urdu novel.
By Qaiser Aftab Ahmed, Ph.D Scholar, Department of Urdu, National University of Modern Languages (NUML), Islamabad.

Kashmir valley has dual importance i.e its natural beauty and its disputed status. In this research article, the different aspects of Kashmir are discussed and analyzed with quotations from Urdu novels. As a whole this article shows the various dimensions of Kashmir discussed by Urdu novelists. The novelists of Urdu have conveyed their observations and emotions effectively through their fictional works.

جنت نظیر خطۂ کشمیر بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ بہت پر امن تھا لیکن جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی تو ریاستوں کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ کشمیر کے عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے تھے لیکن کشمیر کے راجہ نے عوام کی رائے کے خلاف کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کر دیا۔جس سے عوام نے بغاوت کر دی اور باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ جب ہندوستان کو محسوس ہوا کہ کشمیر ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے تو وہ بھاگ کر اقوام متحدہ میں چلا گیا اور جنگ بندی کی درخواست دے دی۔ جنگ روک دی گئی اور لائن آف کنٹرول بنا دی گئی اور آج تک ہندوستان نے استصواب رائے نہیں کرائی اور کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں۔

ادیب چونکہ معاشرے کا بہت ہی حساس اور باشعور طبقہ ہوتے ہیں وہ اپنی تحریروں میں کشمیر کی خوبصورت وادی اور حالات و واقعات کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔خصوصاً اردو ناولوں میں کشمیر کی وادی اور اس کے حسن کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ اس تحقیقی مضمون میں چند منتخب ناولوں میں کشمیر کی وادی اور واقعات کا جو ذکر ملتا ہے انھیں منظرِ عام پر لایا جائے گا۔

ا۔شکست

یہ ناول ۱۹۴۳ء میں ساقی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا اس کے تخلیق کار کرشن چندر تھے۔مصنف کا بچپن چونکہ کشمیر میں گزرا تھا اس لیے انھیں اس خطے کے معمولات کا گہرا تجربہ اور شعور تھا ناول میں کشمیر کے دلفریب اور قدرتی مناظر کی تصاویر نظر آتی ہیں اس کے علاوہ اس ناول میں کشمیر کےعوام کی فرسودہ روایات کا تذکرہ بھی نظر آتا ہے۔ایک اچھے ناول کی خوبی بہترین منظر نگاری میں پوشیدہ ہوتی ہے ناول میں انسانی زندگیڈ اردگرد پھیلے ہوئے معاشرتی اقدار اور رویوں کا تذکرہ ہوتا ہے اس کے علاوہ معاشرت اور فطرت کے مناظر بھی پیش کیے جاتے ہیں۔شکست میں کشمیر کے قدرتی حسن اور مناظر کی تصویر کشی کرشن چندر نے کچھ اس طرح کی ہے:

> یکا یک آفتاب مغرب میں غروب ہوگیا اور حد نظر تک آنکھوں کے سامنے ایک خوب صورت وادی پھیلتی گئی سورج کے ماہی گیر نے ان میں آخری بار اپنا سنہری جال وادی کی گہرائیوں میں پھینکا اور نیلے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے دور ایستادہ سلسلہ ہائے کوہ، دھان کے ایک کھیت، ندی کا چمکیلا پانی،لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پل، ناشپاتیوں کے جھنڈ شفق کے زیریں دام میں گرفتار نظر آئے ہوا کے ہلکے ہلکے لطیف جھونکے بھی رک کر آتے تھے جیسے اس کا میٹھا مدھم سانس بھی اس جال میں الجھ کر رہ گیا ہو۔[(۱)]

اس اقتباس میں ناول نگار غروبِ آفتاب کے خوبصورت منظر کو پیش کرتا ہے اور بتایا ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد حد نظر تک کشمیر کی خوب صورت وادی نظر آتی ہے اس کے علاوہ پہاڑوں کھیتوں اور ندی نالوں کے مناظر نظر آتے ہیں۔ٹھنڈی اور پیاری ہوا کا ذکر بھی اس اقتباس میں نظر آتا ہے۔کرشن چندر نے بہت ہی اچھے انداز میں کشمیر کے مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔

کرشن چندر کا بچپن کشمیر میں گزرا تھا اس لیے کشمیر کی وادیوں، کوہساروں، آبشاروں اور پگڈنڈیوں کی معلومات ان سے زیادہ کون رکھتا ہے۔کرشن چند یوں رقم طراز ہیں:

> ابھی چاروں طرف مکمل سناٹا تھا جولائی کی بہاریں پر فضا تھیں۔گل داؤدی کی کیاریاں کسی رنگین شطرنج کی بساط کی طرح بچھی ہوئی تھیں۔کشمیری سیب ابھی گلابی نہ ہوئے تھے اورفرنچ سیب ابھی بالکل سبز تھے۔ان کے قریب ہی آڑوؤں کے درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ تھا۔اس جھنڈ کے دامن میں سوئف کے پودے کھڑے تھے اور ان کے پرے نیلوفر کی خار دار جھاڑیاں، سبزہ یہاں اس قدر

گنجان تھا اور سایہ اس قدر گھنا کہ یہ جگہ سارے باغ سے الگ تھلگ تاریک اور سکون آمیز معلوم ہوتی تھی۔ (۲)

اس اقتباس میں کرشن چندر نے کشمیر میں جولائی کے خوبصورت اور دلفریب مناظر کی عکاسی کی ہے اس کے علاوہ پھلوں اور پرسکون ماحول کے ذکر کی وجہ سے اپنی تحریر کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

۲۔ آگ

یہ ناول عزیز احمد نے لکھا اور ۱۹۴۶ء میں پہلی بار شائع ہوا اس ناول میں چودہ ابواب ہیں اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے"شنیدہ: میں آٹھ ابواب ہیں ان ابواب میں کشمیر کے متعلق حاصل معلومات ہیں جبکہ دوسرے حصے''دیدہ'' میں چھ ابواب ہیں ان چھ ابواب میں ناول نگار نے کشمیر میں ذاتی مشاہدے بیان کیے ہیں۔ مصنف نے ایک طرف آزادی کی تحریکوں کو آگ قرار دیا ہے جبکہ دوسری طرف غریب کشمیریوں کا معمولی معاوضے کے عوض خون نچوڑا جاتا ہے اس ظلم اور بربریت کی وجہ سے ناول کا نام آگ رکھا ہے۔

عزیز احمد نے ''آگ'' میں کشمیر کے فطری حسن کو بڑے دلنشین اور دلفریب مناظر کی شکل میں پیش کیا ہے اور قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود ان وادیوں کی سیر کر رہا ہے اور یہ مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے ہیں۔ عزیز احمد یوں رقم طراز ہیں:

صبح ہوئی سونا مرگ کے چھوٹے چھوٹے پھول، ہری گھاس اور بہتے ہوئے چشموں کے آغوش میں جگمگائے اٹھے تاجواس کے گلیشئر کا برف کل دن بھر کے غسل کے بعد آج آسمان کی نیلی چادر کے نیچے خالص ترین سفید رنگ میں چمکنے لگا۔ برف کی ایک دیوار تھی جو گلیشیر سے شروع ہو کے میلوں لمبی وادی میں بڑھتی چلی گئی۔ (۳)

اس اقتباس میں عزیز احمد نے کشمیر کی صبح کے مناظر اور گلیشیر کا بڑی خوب صورتی سے ذکر کیا ہے۔

کشمیر میں بہار کا موسم بڑا دل فریب ہوتا ہے اس موسم میں پھول اپنے جوبن پر ہوتے ہیں۔ عزیز احمد ان پھولوں کا ذکر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

شروع میں اپریل کا زمانہ تھا اور کھیتوں میں لالے کے پھول کھلے تھے بڑے بڑے سرخ سرخ کٹورے جیسے پھول گلاب۔ لالہ گلاب کا رقیب ایرانی شاعری کا محبوب ترین پھول خودرو لالوں کے کھیت تھے۔ اخروٹ کے درختوں کی بڑی بڑی سفید کلیوں کے جھنڈ بڑے خوبصورت معلوم ہو رہے تھے۔ (۴)

عزیز احمد نے کشمیر میں اپریل کے موسم میں کھلنے والے پھولوں کے بارے میں بتایا ہے کہ اس موسم میں لالے کے پھولوں کی بہتات تھی اور گلاب کے پھول تو ایسے تھے جیسے بڑے بڑے کٹورے ہوں۔ اس کے علاوہ خودرو پھولوں کے کھیت بہت دل کش دکھائی دے رہے تھے۔ ناول نگار نے اس ناول میں کشمیر کے فطری حسن کی بڑی خوب صورتی کے ساتھ ترجمانی کی ہے۔ اگرچہ آگ میں دوسرے بہت سارے موضوعات پر بھی بات کی گئی ہے لیکن اس تحقیقی مضمون میں صرف کشمیر کے فطری حسن اور مناظر پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔ اسی شمع کے آخری پروانے

یہ ناول رشیدہ رضویہ نے لکھا تھا اور مکتبہ التحریر لاہور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ناول بھی کشمیر کے تناظر میں لکھا گیا تھا۔ مصنفہ بتاتی ہیں کہ کشمیری بہت حب الوطن ہیں اور یہ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے تھے لیکن حکمرانوں کی غاصبانہ پالیسیوں کی وجہ سے آج بھی کشمیر جل رہا ہے اور محب وطن کشمیری آج اس امید پر بیٹھے ہیں کہ ایک نہ ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہوگا۔ رشیدہ رضویہ یوں رقمطراز ہیں:

> ہم کشمیر کے ذرات ہیں۔ہم خاک وطن کے ٹکڑے ہیں۔ آج تم دل میں گھاؤ لیے اپنا گھر اور زمین چھوڑ کر جارہے ہو لیکن کل تمہاری اولاد دوبارہ اپنے گھر لوٹ جائے گی اگر تمہاری اولاد بھی تمہاری طرح بدبخت رہی تو تمہاری اولاد کی اولاد تو ضرور اپنا وطن حاصل کر لے گی۔[(۵)]

جب کشمیر میں آزادی کی جنگ شروع ہوئی تو بہت سارے خاندان آزاد کشمیر اور پاکستان میں ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن وہ آج بھی پر امید ہیں کہ ایک نہ ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہوگا اور وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔

قیامِ پاکستان کے وقت بڑے تو بڑے چھوٹے بچے بھی کشمیر کو پاکستان میں شامل ہوتا دیکھنا چاہتے تھے، مصنفہ نے بچوں کی ایک محفل کا ذکر کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''بتاؤ بچو: تم کون ہو؟'' گیت کے بعد بھلا نے دریافت کیا۔
>
> ''ہندوستانی۔'' تمام بچے چلائے۔''میں ہندوستانی نہیں ہوں۔'' وہ چھوٹی بچی چلائی جو کراچی سے آئی تھی۔
>
> ''یہ پاکستانی ہے۔ پاکستانی۔ ہم پاکستان لے کے رہیں گے، کشمیر بھی پاکستان میں آئے گا اور کشمیریوں کو اپنا وطن بھی مل جائے گا۔ پاکستان زندہ باد۔''
>
> بیگم جہاندیدہ نے نعرہ لگایا اور تمام بچے ''ہندوستانی'' کہنا بھول کر پاکستان زندہ باد

اور ''ہم پاکستانی ہیں'' کے نعرے لگانے لگے۔ (۶)

مصنفہ بتاتی ہیں کہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کرانے کے خواہش مند تھے اور بچے اپنی محفلوں میں ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگاتے رہتے تھے۔

کشمیر کی صبح کا منظر بہت ہی سہانا اور دل فریب ہوتا ہے رشیدہ رضویہ نے صبح کے منظر کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

> ۳/فروری ۱۹۵۳ء کی ایک صبح تھی۔ ابھی دنیا مکمل طور پر بیدار نہ ہوئی تھی نیلی فضا میں سحر کی سپیدی شامل ہو کر نیا رنگ پیدا کر رہی تھی۔ ستارہ سحری الوداعی نگاہوں سے دنیا کا رنگ دیکھ رہا تھا اور چمن میں فروری کی شبنم آلود ہواؤں نے ستم ڈھا رکھا تھا۔ سبزے پر زرد زرد پتے بکھیرے تھے درختوں میں آگ لگی تھی۔ بادام کے پیڑ پر سرخ پتے افق کے رنگوں سے ملتے جلتے نظر آتے تھے جامن اور آم پر بور آچکا تھا چڑیاں تنکا تنکا جمع کرتی ہیں درختوں اور گھروں میں آشیانے بنانے کی فکر میں تھیں۔ پرندوں کے لیے انڈوں کا موسم آرہا تھا ہر شے نیا پیرہن تیار کر رہی تھی۔ بہار بھی آنے ہی کو تھی۔ (۷)

ناول نگار نے کشمیر میں فروری کی ایک صبح کے منظر کو تمام جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ بیان کر دیا ہے قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ تمام مناظر وہ خود دیکھ رہا ہے۔

۴۔سری نگر ۷۵ میل

اس ناول کے تخلیق کار شمس کاشمیری ہیں اور یہ ۱۹۸۴ء میں کاشر پبلی کیشنز گوجرانوالہ کے زیر اہتمام شائع ہوا یہ ناول بھی کشمیر کے جغرافیہ اور کشمیریوں کی اپنے وطن سے محبت کے بارے میں لکھا گیا ہے کشمیری اپنے وطن اور پاکستان سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس ناول کا لسانی مرکزی کردار رمضان کے گرد گھومتا ہے جو مظفر آباد، سری نگر روڈ پر بیٹھا ہے جہاں پر لکھا ہے؛ سری نگر ۷۵ میل لیکن وہ وہاں جا نہیں سکتا اس کے بچے مقبوضہ کشمیر میں صرف اڑتالیس میل دور ہیں چونکہ رمضان کے پاس کشمیری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس لیے وہ اپنے بچوں کے پاس نہیں جاسکتا لیکن وہ دن رات اپنے وطن اور بچوں کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے شمس کاشمیری لکھتے ہیں:

> ایسا محسوس ہوا، جیسے ڈوگروں نے اسے اس وقت وطن سے بے دخل کیا تھا اب وہ کس عدالت سے فریاد کرتا اور کس سے منصفی چاہتا۔ وہ تمام زخم جن پر پچھلے چالیس سال میں کھرنڈ جم چکے تھے پھر سے ہرے ہو گئے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں

سے ڈبڈبا گئیں لیکن وہ مجبور تھا۔ غلام محمد بھی مجبور تھا اس نے تحصیل دار سے آنسو بھری نظروں سے کہا کہ اگر تمہارے بس میں ہو تو یہ سری نگر کا راستہ کھول دو اور اپنے عدالتی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے بارہ مولا کے پاس میرے گاؤں سے میرے بچوں کو بلا لو کہ وہ میرے کشمیری ہونے کا زندہ ثبوت ہوگا اگر میرے ماں باپ زندہ ہیں تو وہ بھی اپنے خون کو پہچان کر میرے کشمیری ہونے کی گواہی دیں گے اور اگر تم خود کشمیری ہو تو میرے خون کا رنگ دیکھ لو میرے پسینے کی بُو سونگھ لو یا پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو کہ میں کشمیری ہوں کہ نہیں کیا میرا چہرہ جسمانی ڈیل ڈول اور میرا رنگ روپ کشمیری ہونے کا ثبوت نہیں۔ یہ سوال تو ایسا ہی ہے کوئی مجھ سے میرے انسان ہونے کا ثبوت مانگے۔ (۸)

رمضان اپنے وطن اور بچوں سے دور ہو چکا ہے وہ کشمیری بھی ہے حب الوطن بھی ہے، لیکن اس کے پاس کشمیری ہونے کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے اس لیے وہ سری نگر اپنے بچوں کے پاس نہیں جاسکتا۔ لیکن وہ پھر بھی پر امید ہے کہ ایک نہ ایک دن کشمیر آزاد ہو جائے گا اور وہ اپنے وطن اور بچوں کے پاس چلا جائے گا۔

رمضان کے دل میں اپنی مٹی سے پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور وہ سنگ میل ۵۷ میل سری نگر کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایک ارادہ کرتا ہے، شمس کاشمیری یوں رقم طراز ہیں:

اس نے ارادہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں آزادی کی صبح نہ دیکھ سکا تو وصیت کر جائے گا کہ اسے سری نگر کی طرف کے آخری سنگ میل پر دفن کیا جائے اور اس قبر پر ایک بڑا سا پتھر لگا کر اس کا نام، پتا اور اس کے حالات لکھ دیئے جائیں اور ساتھ لکھ دیا جائے کہ یہاں پر وہ شخص سو رہا ہے جو اپنی ساری زندگی میں ۴۸ میل کا فاصلہ طے کرکے بارہ مولا سے تین میل آگے اپنے گاوں تک نہ پہنچ سکا شاید کبھی اس کے بچے یا رشتہ دار اس راستے سے گذریں تو اسے شناخت کر کے اس کے فراق کی تڑپ کو محسوس کر سکیں اور اس کی کرب کی زندگی سے آگاہ ہوسکیں اب یہ اس کا روز کا معمول تھا کہ وہ صبح شام سری نگر روڈ کے آخری سنگِ میل تک جاتا اور کبھی پیار سے اور کبھی غصے سے اس میل کو دیکھتا اور دیکھتا رہا جس پر تحریر تھا سری نگر ۵۷ میل۔ (۹)

رمضان چونکہ اپنے بچوں سے بچھڑ چکا تھا اس کے پاس اپنے کشمیری ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہ تھا اس لیے وہ

روزانہ سنگ میل ۵۷ میل پر بیٹھا رہتا شاید اسے اپنے گاؤں جانے کا موقع مل سکے لیکن جب وہ مایوس ہو جاتا کہ اب وہ اپنے گھر نہیں جا سکے گا تو ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی قبر سری نگر کے آخری سنگ میل پر بنوائے گا اور اس پر اپنا نام اور زندگی کے حالات لکھوائے گا شاید کسی دن اس کے بچے یا رشتہ دار دیکھ لیں تو اسے کچھ اطمینان محسوس ہوگا۔

۵۔ حبہ خاتون

اس ناول کے مصنف سید نظر زیدی ہیں اور ۱۹۸۵ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ ناول نگار نے اس ناول میں کشمیر کی مشہور شاعرہ حبہ خاتون کی زندگی کے حالات بیان کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات پر بھی بات کی گئی ہے۔

کشمیر کی وادی کی منظر کشی کے حوالے سے سید نظر زیدی کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ خوبصورت اور مؤثر منظر نگاری ناول کا بہت بڑا وصف ہے وادی کشمیر کی منظر نگاری کے بارے میں سید نظر زیدی یوں رقمطراز ہیں:

> کشمیر میں چشموں کا کال نہیں۔ یہ سدا بہار سرزمین قدم قدم پر امرت لٹاتی ہے۔[۱۰]

کشمیر کی سرزمین بہت زرخیز ہے جگہ جگہ میٹھے پانی کے چشمے ہیں اور یہ طاقت ور زمین سارا سال سونا اگاتی رہتی ہے۔ کشمیر اور زمین کے حوالے سے سید نظر زیدی یوں رقمطراز ہیں:

> کشمیر جنت نظیر کی سہاگن زمین پر حد نگاہ تک بکھرے ہوئے رنگ رنگ کے پھول، سدا بہار سبزہ زاروں پر گوٹہ کناری کی طرح جگمگائے ہوئے دریا، نگینوں کی طرح جھلمل کرتی جھیلیں، فردوسی سازوں کی طرح گنگنائے ہوئے چشمے اور آبشار، ہمہ وقت فضا میں گونجتے ہوئے پرندوں کے گیت، کونے کونے میں بسی ہوئی خوشبو، مقدس بلند اور پر وقار گنبدوں کے ابھار، کسی دوشیزہ کے سر سے ڈھلے ہوئے آنچل کی طرح پر بہار ڈھلوانیں اور رفق و پر جلال پہاڑ، اسکا یہ سادہ ماحول ان تمام نعمتوں سے مالا مال تھا۔[۱۱]

سید نظر زیدی کہتے ہیں کہ کشمیر کی زمین پر حد نگاہ تک پھول ہی پھول نظر آتے ہیں اس کے علاوہ پانی کے چشمے اور آبشاریں بہت خوب صورت مناظر پیش کرتے ہیں۔ گنبدوں کے ابھار اور پہاڑ بھی بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

سید نظر زیدی نے کشمیری خواتین کی توہم پرستی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> پیر صاحب کے گاؤں سے واپس آتے ہوئے زون کے سوا یہ ساری ہی عورتیں حد سے زیادہ خوش تھیں۔ ان میں سے کسی نے اپنی بہو کا اقتدار کم کرنے کے لیے تعویذ لیا تھا۔ کسی نے ساس کو قابو کرنے کے لیے دعا کرائی تھی۔ کوئی اپنے خاوند کو

مٹھی میں بند کرنے کی متمنی تھی کوئی بیٹے کی آرزو لے کر آئی تھی اور اب ان سبھی کو
پورا پورا یقین تھا کہ ان کی آرزوئیں پوری ہو کر رہیں گی۔ (۱۲)

ناول نگار کہتے ہیں کہ پاکستانی خواتین کی طرح کشمیری خواتین بھی توہم پرستی کا شکار ہیں کوئی اپنی بہو کو قابو کرنے کے لیے تعویذ لے رہی ہے اور کوئی اپنی ساس اور خاوند کو مٹھی میں بند کرنے کے لیے تعویذ لے رہی ہے اور ان کو پورا پورا یقین ہے کہ ان کی خواہشات پوری ہو جائیں گی۔

۶۔ چناروں کی آگ

اس ناول کی قلم کار جاویدہ جعفری ہیں اور یہ لاہور سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ناول جیسا کہ اپنے نام سے ظاہر ہے ''چناروں کی آگ'' میں کشمیر کی جدوجہد کارزاری کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ کشمیر کا جغرافیہ، معاشرتی اور سماجی حالات پر بھی بحث کی گئی ہے کشمیر کی جنگ آزادی کے بارے میں جاویدہ جعفری یوں رقم طراز ہیں:

ابھی کشمیر جل رہا ہے اور مظلوم کشمیری آس بھری نظروں سے افق کی جانب دیکھ رہے ہیں ابھی شیر کشمیر آہنی سلاخوں کے پیچھے جبر و استبداد کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ایک نئی نورانی صبح کا انتظار کر رہا ہے مگر چاروں طرف بے مہر برف کے انبار ہیں اور وہ صبح طلوع ہونے میں نہیں آ رہی۔ ابھی آزاد فوجیں راستے میں ہیں۔ زندگی کا ایک موڑ گزر جانے سے تمام فاصلے تو طے نہیں ہو گئے طویل راہیں ابھی تک راستہ دیکھ رہی ہیں۔ ابھی اس کو مقبوضہ کشمیر جانے کے راستے تلاش کرنے ہیں۔ ان پر پل باندھتے ہیں اَن گنت روشنیوں سے لاکھوں گھروں کا اجالا بخشتا ہے۔ (۱۳)

کشمیر میں آزادی کی جنگ جاری ہے۔ کشمیری مجاہدین نے جموں اور سری نگر فتح کرنا ہے اور جانے کے راستے تلاش کیے جا رہے ہیں عوام ایک اچھی اور نئی صبح کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ کب کشمیر آزاد ہو۔ ناول نگار نے بہت خوب صورتی سے جنگ آزادی کی تصویر کشی کی ہے۔

مصنفہ کشمیر کے حسن سے متاثر نظر آتی ہیں اور کشمیر کے قدرتی مناظر کی تصویر کشی کرتی ہیں جاویدہ جعفری لکھتی ہیں:

گھنے درختوں کے جھنڈ سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود تھا۔ سیاہ سلوں کے درمیان چمکتے ہوئے پانی کے گرد نیلے رنگ کے پھول کثرت سے اگے تھے اور پتھروں سے چمٹی ہوئی بیلوں میں نظر نہ آنے والے جھینگر شور مچا رہے تھے درمیان میں لگی ہوئی لکڑی کی نالی سے صاف شفاف خشک پانی کی دھار مسلسل آواز کے ساتھ

نیچے گر رہی تھی۔ (۱۴)

ناول نگار نے کشمیر کے حسن اور خوبصورتی کی بڑے دلفریب انداز میں ترجمانی کی ہے کشمیر واقعی جنت نظیر خطہ ہے ہر طرف پھل اور پھول نظر آتے ہیں درختوں کے جھنڈ ہیں اور جگہ جگہ پانی کے چشمے ہیں۔ ہوا بہت ٹھنڈی اور صحت افزا ہے۔

۷۔ وادی لہو رنگ

اس ناول کے مصنف طارق اسماعیل ساگر ہیں اور یہ لاہور سے پہلی بار ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا آغاز ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ سے ہوتا ہے لیکن مصنف اس کے بعد ناول نگار قاری کو کشمیر کی پرانی تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اس طرح یہ پورے کا پورا ناول کشمیر اور آزادی کشمیر کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔

طارق اسماعیل ساگر کشمیریوں کے جذبہ حریت کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> کشمیر ہمیشہ ایک سلگتا ہوا سوال بن کر برصغیر کے ماتھے پر دہکتا رہا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد سے دونوں ملکوں کی حکومتیں یہی سمجھنے لگی تھیں کہ اب کشمیر کا مسئلہ شاید کم ہو گیا ہے لیکن وہ بھول رہے ہیں کہ تاریخ اپنا عمل دہراتی ہے اور دبی چنگاریاں کبھی نہ کبھی بھڑک کر شعلوں کا روپ ضرور اختیار کرتی ہیں۔ قائد اعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا۔ اس میں مبالغہ بھی نہیں کہ اگر یہ شہ رگ کٹ جاتی تو پاکستان کی شریانوں سے خون کا ایک ایک قطرہ نچڑ جاتا۔ کشمیر کی پہاڑیوں سے اترنے والے دریاؤں کے سوتے اگر پاکستان کے لیے خشک کر دیے جاتے تو اس کی ہریالی کو موت آ جاتی۔ کشمیر پاکستان کے لیے ناگزیر تھا۔
>
> اس حقیقت کو پاکستانیوں سے زیادہ کشمیری عوام نے محسوس کیا۔ ان مظلوموں کو ہمیشہ یہی امید رہی کہ پاکستانی کبھی نہ کبھی ان کی مدد کو ضرور آئیں گے لیکن وہ شاید ان کا پھر مقدر نہ بن سکا اور کشمیر میں حالت تنگ آمد بجنگ آمد پر پہنچ گئی۔ (۱۵)

ناول نگار کی رائے ہے کہ کشمیر پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اسے ہر صورت حل ہونا چاہیے اور یہ پاکستان کی شہ رگ ہے اگر شہ رگ کٹ گئی تو پاکستان ویران اور بنجر ہو جائے گا کیونکہ تمام دریا کشمیر سے نکلتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کشمیری مسلمان پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی جنگ جاری ہے اور ایک حریت پسند اپنے دوسرے ساتھیوں سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے۔

> جموں میں جس طریقے سے خونِ مسلم بہہ رہا ہے آسمان بھی اس پر لہو کے آنسو بہاتا ہو گا۔ مگر بہ خدا ہماری غیرت ابھی زندہ ہے کشمیر کے بیٹے ابھی مر نہیں گئے کہ یوں غنیم ان کی بہو بیٹیوں کو گلیوں میں رسوا کرتا پھرے۔ آزمائش کی گھڑی سر پر آ گئی ہے ساتھیو! جموں کے بے کس اور مظلوم مسلمانوں کا لہو صرف اپنی بدبختی کی دہائی نہیں دے رہا ہماری غیرت کو بھی للکار رہا ہے خدائے واحد کی قسم! ہم تعداد میں نہ ہونے کے برابر ہیں ہمارے پاس اسلحے کے انبار نہ سہی لیکن ہمارے سروں میں آزادی کا سودا سمایا ہوا ہے ہمارے بازووں میں ابھی اتنی سکت ہے کہ وہ ان غاصبوں کا گلا گھونٹ دیں جنھوں نے ہماری پشت میں خنجر گھونپا ہے۔ (۱۶)

ناول نگار کہتے ہیں کہ کشمیری کم تعداد اور اسلحہ نہ ہونے کے باوجود خود پر عزم ہیں اور آزادی کی جنگ جاری رکھی ہوئی ہے اور پر امید ہیں کہ کسی نہ کسی دن کشمیر ضرور آزاد ہو جائے گا۔

حواشی

(۱) کرشن چندر، شکست، (دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۳ء)، ص ۳
(۲) ایضاً، ص ۱۲
(۳) عزیز احمد، آگ، (لاہور: مکتبہ جدید ۱۹۶۹ء)، ص ۱۷ تا ۱۸، طبع سوم
(۴) ایضاً، ص ۵۲
(۵) رشیدہ رضویہ، اسی شمع کے آخری پروانے، (لاہور: مکتبہ التحریر، ۱۹۷۰ء)، ص ۱۰
(۶) ایضاً، ص ۲۹
(۷) ایضاً، ص ۱۰۵
(۸) شمس کاشمیری، سری نگر ۷۵ میل، (گوجرانوالہ: ناشر پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۰۱ تا ۱۰۲
(۹) ایضاً، ص ۱۱۸ تا ۱۱۹
(۱۰) نظر زیدی، سید، حبہ خاتون، (لاہور: مدینہ پریس ۱۹۸۵ء)، ص ۶۵
(۱۱) ایضاً، ص ۱۶
(۱۲) ایضاً، ص ۸۸
(۱۳) جاویدہ جعفری، چناروں کی آگ، لاہور: (پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈز، ۱۹۹۱ء)، ص ۹
(۱۴) ایضاً، ص ۳۶
(۱۵) طارق اسمٰعیل ساگر، وادی لہو رنگ، (لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۶ء)، ص ۳۳۷
(۱۶) ایضاً، ص ۱۳۴

ماٰخذ

۱۔ احمد، عزیز، آگ، لاہور: مکتبہ جدید ۱۹۶۹ء، طبع سوم

۲۔ جعفری، جاویدہ، چناروں کی آگ، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈز، ۱۹۹۱ء

۳۔ چندر، کرشن، شکست، دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۳ء

۴۔ رضویہ، رشیدہ، اسی شمع کے آخری پروانے، لاہور: مکتبہ التحریر، ۱۹۷۰ء

۵۔ زیدی، نظر، سید، حبہ خاتون، لاہور: مدینہ پریس ۱۹۸۵ء

۶۔ ساگر، طارق اسمٰعیل، وادی لہو رنگ، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۶ء

۷۔ کاشمیری، شمس، سری نگر ۷۵ میل، گوجرانوالہ: ناشر پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء